بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ذکر کی حقیقت

(۲)

سید جلال الدین عمری

اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے اور صبح و شام ہر وقت یاد کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کو
اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۙ وَّ سَبِّحُوْهُ	کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس
بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا	کی تسبیح کرتے رہو۔

(الاحزاب : ۴۱-۴۲)

نماز اور دوسری عبادات تو سراپا ذکر ہیں۔ شب و روز کے مختلف اوقات میں جن دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے وہ بھی ذکر کی مختلف شکلیں ہیں۔ آدمی جب زندگی کی اہم ذمہ داریاں ادا کر رہا ہو یا نازک مراحل اس کے سامنے ہوں تو ذکر کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح کے نازک اور اہم مواقع کی طرف قرآن و حدیث میں خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے۔ ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

معاشی تگ و دو میں ذکر

زندگی کی تگ و دو اور ہمہ وقت مصروفیت میں ہر آن اس بات کا خطرہ لگا ہوا ہے کہ آدمی خدا کو بھول جائے، اس کے احکام کا پابند نہ رہے اور اس کی ہدایات کی خلاف ورزی کر بیٹھے لیکن اللہ کے نیک بندوں پر اس طرح کی غفلت طاری نہیں ہوتی۔ ان کی خوبی یہ بیان ہوئی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ	(اللہ کے گھروں میں) ایسے لوگ
لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ	ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت
الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ	اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور

يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ	زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں غافل کرتی۔ وہ اس دن
وَالْاَبْصَارُ ۝	سے ڈرتے ہیں جس میں دل الٹنے لگیں گے اور
(النور: ۳۷)	آنکھیں پتھرا جائیں گی۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اللہ والے مادی ضروریات سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ دوسروں کی طرح انھیں بھی یہ ضروریات لاحق رہتی ہیں۔ البتہ وہ ان کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ وہ اپنی معاشی تگ و دو میں بھی اسے یاد رکھتے ہیں۔ یہاں اللہ کو یاد کرنے کی تین شکلیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک ذکر، دوسری نماز اور تیسری زکوٰۃ۔ نماز اور زکوٰۃ کے متعین اوقات ہیں۔ لیکن ذکر ہر وقت ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔ یہی چیز آدمی کو معاشی جدوجہد میں اللہ کے احکام کا پابند بنا سکتی ہے اور وہ اس سے ڈر اور خوف کھا کر اس کے راستہ پر چل سکتا ہے۔

سورۂ جمعہ میں نماز جمعہ کے ذیل میں فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ	اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز
لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا	نماز کے لیے بلایا جائے (اذان دی جائے)
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ	تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ
(الجمعہ: ۹)	بہتر ہے اگر تم جانو۔

مطلب یہ کہ اذان کے بعد کاروبار بند کرو اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ یہاں ذکر سے نماز جمعہ مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ	جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں
فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا	پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (معاش)
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا	کو تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الجمعہ: ۱۰)	کرتے رہو۔ امید ہے فلاح پاؤ گے۔

نماز جمعہ کی وجہ سے جو معاشی مصروفیت تھوڑی دیر کے لیے بند ہو گئی تھی نماز ختم ہونے کے بعد اسے دوبارہ شروع کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ مطلب یہ کہ معاشی تگ و دو میں آدمی اس طرح نہ گم ہو جائے کہ اللہ کو بھول جائے اور اس کی ہدایات کو فراموش کر بیٹھے بلکہ اسے ہر وقت یاد رکھے اور اسکے احکام کا پوری طرح پابند رہے۔

خاندانی مصروفیات میں ذکر

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ بیوی بچوں اور مال و دولت کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے۔ وہ ان کی خاطر بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود کو توڑ دیتا ہے۔ اس سے ان الفاظ میں باخبر کیا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ	اے ایمان والو! تمہارے مال اور
اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ	تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل
اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ	نہ کر دے۔ جو لوگ ایسا کریں (غفلت میں
ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون: ۹)	پڑ جائیں) وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دعوتی جدوجہد میں ذکر

اسلام نے اپنے ماننے والوں پر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ وہ اس راہ میں اپنی توانائی صرف کرنے اور مصائب و تکالیف کے برداشت کرنے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ دنیا اللہ کے دین سے بے خبر نہ رہے اور ان کی دنیا اور آخرت تباہ نہ ہو۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس عظیم ذمہ داری کے ادا کرنے کی طاقت اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے آدمی اس راہ میں ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ سورۂ مزمل کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ کی جو بھاری ذمہ داری عائد کی گئی تھی اس کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝	بے شک آپ کے لیے دن میں بڑی
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ	مصروفیت ہے آپ اپنے رب کے نام
تَبْتِیْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	کا ذکر کرتے رہیے اور سب سے کٹ کر اسی
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ	کے ہو رہیے۔ وہ مشرق و مغرب کا رب
وَکِیْلًا ۝	ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کو اپنا
(المزمل: ۷-۹)	کارساز بنائیے۔

یہاں ذکر کے ساتھ 'تبتل' کا بھی حکم ہے۔ تبتل کے معنی انقطاع کے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے ہو جائیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا آپ کی توجہات

کا مرکز نہ ہو، آپ کی ساری امیدیں اسی سے وابستہ ہوں اور اسی کا خوف اور خشیت آپ پر طاری رہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کیفیت ذکر دوام ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے ان دونوں کو ایک ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔

فرعون اپنی سلطنت میں "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ بلند کر رہا تھا اور سرکشی اور بغاوت کی آخری حد کو پہونچ چکا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارون کو حکم ہوا کہ اسے اللہ کی بندگی کی دعوت دیں، اس پر راہ ہدایت واضح کریں اور اصلاح حال کے لیے کہیں اور اسے صاف صاف بتا دیں کہ اس کی موجودہ روش اسے تباہی سے ہم کنار کرے گی۔ اس مہم پر جانے کی ہدایت اس طرح دی گئی۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۴۲)	تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں کوتاہی نہ کرو۔

یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ذکر ہی سے تبلیغ دین کی قوت حاصل ہوگی اور اس میں جو نازک مراحل آتے ہیں ان میں آدمی ثابت قدم رہ سکے گا۔ اس زادِ راہ کے بغیر یہ عظیم مہم سرانجام نہیں دی جا سکتی۔

حالت جہاد میں ذکر

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو وقت ضرورت اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم دیا ہے۔ جہاد اس بات کا اعتراف ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کا دین اس کی جان و مال سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اس کے تحفظ، دفاع اور سربلندی کے لیے بلا تکلف ان کا نذرانہ پیش کر سکتا ہے۔ اتنا بڑا قدم اٹھانا آسان نہیں ہے۔ اس میں ہمت ٹوٹ سکتی ہے، جذبات بدل سکتے ہیں اور حدود سے تجاوز ہو سکتا ہے۔ ان سب سے بچنے اور خلوص کو باقی رکھنے کا واحد ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الانفال: ۴۵)	اے ایمان والو جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہو۔ امید ہے فلاح پاؤ گے۔

اسی وجہ سے میدان جنگ میں بھی نماز کا حکم ہے اور اس کا طریقہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (النساء: ۱۰۲) اس کے بعد فرمایا:۔

فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا	جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے
اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی	بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے
جُنُوۡبِکُمۡ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا	رہو اور جب اطمینان نصیب ہو تو نماز
الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ	قائم کرو (جیسا کہ حالت اطمینان میں نماز
عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝	قائم کرنے کا حکم ہے) بے شک نماز اہل
(النساء: ۱۰۳)	ایمان پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے۔

نماز ذکر کی بہترین صورت ہے۔ اس کا ایک طریقہ بتا دیا گیا ہے۔ حالت جنگ میں یہ طریقہ حالت امن سے مختلف ہوگا۔ آدمی دشمن سے چوکنا بھی رہے اور خدا کی عبادت بھی انجام پاتی رہے۔ نماز کے متعین اوقات ہیں۔ ان اوقات میں وہ ضرور ادا کی جائے گی۔ ان کے علاوہ دیگر اوقات میں، چاہے میدان کارزار ہی کیوں نہ ہو ایک مومن خدا کے ذکر سے غافل نہیں ہو سکتا۔ یہی ذکر کامیابی کی کلید ہے۔

اب ہم ذکر سے متعلق بعض باتوں کی وضاحت کریں گے۔

ذکر کے حلقے

حدیث میں مساجد کو 'ریاض الجنۃ' یعنی جنت کے باغ کہا گیا ہے اور ان میں تسبیح، تحمید اور تکبیر کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ	جب تم جنت کے باغات میں جاؤ
فارتعوا قلت وما ریاض الجنۃ	تو خوب چر چگ لو۔ میں نے عرض کیا۔
قال المساجد قلت وما الرتع	جنت کے باغات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا
یا رسول اللہؐ قال سبحان اللہ	مساجد میں نے عرض کیا ان میں چرنا چگنا
والحمد للہ ولا الہ الا اللہ	کیا ہے۔ ارشاد فرمایا سبحان اللہ، الحمد للہ
واللہ اکبر[1]	لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے رہنا۔

[1] ترمذی، ابواب الدعوات ص۱۸۹

ایک اور حدیث میں ذکر کے حلقوں کو 'ریاض الجنۃ' کہا گیا ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ	جب تم جنت کے باغات میں جاؤ
فارتعوا قالوا وما ریاض الجنۃ	تو خوب چر چگ لو۔ صحابہ نے عرض کیا
قال حِلَقُ الذکر[۱]	جنت کے باغات کون سے ہیں۔ ارشاد فرمایا ذکر کے حلقے۔

ان احادیث سے جس طرح مساجد میں ذکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اسی طرح مساجد سے باہر بھی ذکر کے حلقوں یا مجالس ذکر کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس حدیث اور اس نوعیت کی بعض دوسری احادیث سے صوفیاء کے ایک طبقہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایسی مجلسیں قائم کی جا سکتی ہیں جن میں ان الفاظ اور کلمات کا ورد ہو جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کے لیے قرآن وحدیث میں آئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے وظائف بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ البتہ اس کے شروط و آداب کی رعایت ہونی چاہیے۔ حالات اور زمانہ کے لحاظ سے بعض چیزیں ضروری ہو جاتی ہیں۔ دور رسالت کے بعد حالات میں جو تبدیلی آئی ان کے پیش نظر بعض بزرگوں نے اذکار و اوراد کے لیے حلقوں اور مجلسوں کے قیام کو مفید ہی نہیں ضروری بھی قرار دیا ہے[۲]۔

اس ذیل میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرام کی مجلسیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہوتی تھیں۔ یہ مجلسیں کبھی کبھی ہوتی تھیں اس دورِ مبارک میں ایسے مستقل حلقوں یا مجلسوں کا ثبوت نہیں ملتا جہاں اوراد پڑھے جاتے یا دعائیں کی جاتی ہوں۔

دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام کی مجلسیں صرف دعا یا اذکار ہی کے لیے نہیں بلکہ دوسرے بہت سے اہم دینی مقاصد کے لیے بھی ہوتی تھیں۔ ان میں دینی علوم کا سیکھنا سکھانا، اپنی اصلاح و تربیت پر غور کرنا اور خدا کے دین کی سربلندی کی فکر کرنا سب ہی کچھ شامل ہے۔ ان مقاصد کے لیے جو مجلسیں منعقد کی جائیں وہ بھی ذکر ہی کی مجلسیں ہیں۔ ان کی فضیلت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ یہاں ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے[۳]۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ	جب تمہارا جنت کے باغات سے

۱۔ حوالہ سابق ۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: اشعۃ اللمعات ۳/۱۴۸

فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال مجالس العلم[1]

گزر ہو تو خوب چرچگ لو۔ دریافت کیا گیا کہ جنت کے باغات کیا ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ علم کی مجلیں۔

اوپر کی حدیثوں میں مساجد اور ذکر کے حلقوں کو جس طرح ریاض الجنة کہا گیا ہے اسی طرح اس حدیث میں مجالس علم کو ریاض الجنة سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں علم کی وہ مجلسیں مراد ہیں جن میں قرآن، حدیث، فقہ اور حکمت و بصیرت کی تعلیم ہو۔ اس حدیث کے ایک راوی کا نام معلوم نہیں ہے اس وجہ سے اسے کمزور کہا گیا ہے لیکن ذکر کا جو وسیع مفہوم ہے اس کی تائید میں اسے پیش کرنا غلط نہ ہوگا۔ اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

اللہ سے قربت پیدا کرنے والے جو الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہیں اور دل میں جو تصورات آتے ہیں، چاہے وہ تعلیم و تعلم ہو یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو یہ سب ذکر میں شامل ہے لہٰذا جو شخص فرائض کے ادا کرنے کے بعد علم کی طلب میں مشغول ہو یا کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس سے دین میں فقہ و بصیرت پیدا ہوتی ہو یا اس فقہ کی تعلیم دے جسے اللہ اور اس کے رسول نے فقہ کہا ہے تو یہ بھی ذکر ہی ہے[2]

ذکر بلند آواز سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض خاص مواقع پر بآواز بلند تسبیح و تکبیر کا ثبوت موجود ہے۔ جیسے ایام حج میں تکبیر کہنا۔ اسی طرح سفر پر جاتے ہوئے یا واپسی میں، بلندی پر چڑھتے یا اترتے ہوئے اور میدان جنگ میں۔ اس طرح کے مواقع پر آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے زور سے کلمات تسبیح و تکبیر ادا فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض روایات یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جاتے

---

[1] رواہ الطبرانی عن ابن عباس فیہ رجل لم یسم۔ فیض القدیر: ۲/۴۴۲

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۰/۶۶۱ طبع جدید

وسلم کان اذا استوی علی	وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ تکبیر
بعیرہ خارجا الی السفر کبّر	کہتے پھر یہ دعا فرماتے سبحان الذی الخ
ثلاثا ثم قال سبحان الذی	ہم پاکی بیان کرتے ہیں اس ذات کی جس
سخر لنا ھٰذا وما کنا لہ	نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہم
مقرنین وانّا الی ربنا لمنقلبون	میں اس کے مسخر کرنے کی طاقت نہ تھی۔
اللھم انا نسألک فی سفرنا	بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر
ھٰذا البر والتقویٰ ومن	جانے والے ہیں۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس
العمل ما ترضیٰ اللھم	سفر میں سوال کرتے ہیں نیکی اور تقویٰ اور ایسے
ھوّن علینا سفرنا ھٰذا	عمل کا جس سے تو خوش ہو۔ اے اللہ ہمارے
واطوعنّا بعدہ اللھم انت	لیے ہمارے اس سفر کو آسان کر دے اور
الصاحب فی السفر والخلیفۃ	اس کی مسافت کو کم کر دے۔ اے اللہ سفر
فی الاھل اللھم انی اعوذ	میں تو ہی ساتھی ہے اور اہل وعیال میں
بک من وعثاء السفر	ہمارا جانشین ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے
وکآبۃ المنظر و سوء	پناہ کا طالب ہوں سفر کی مشقت سے اس
المنقلب فی المال والاھل	بات سے کہ کوئی بری چیز دیکھنی پڑے اور
واذا رجع قالھن و زاد	مال اور اہل وعیال میں بری واپسی ہو، جب
فیھن آئبون تائبون	سفر سے واپس ہوتے تو یہی دعا پڑھتے اور
عابدون لربنا حامدون[۱]	اس میں یہ اضافہ فرماتے آئبون الخ ہم
	لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں،
	عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی
	حمد وثنا کرنے والے ہیں۔

اس حدیث میں سفر سے متعلق ایک عمومی بات کہی گئی ہے کہ اس کا آغاز اور واپسی تکبیر اور کن دعاؤں کے ساتھ ہوتی تھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کی ایک اور روایت میں سفر جہاد سے واپسی کا طریقہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

---

[۱] مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ الخ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کان اذا قفل کبّر ثلاثا قال
'آئبون ان شاء اللہ تائبون
عابدون حامدون لربنا
ساجدون صدق اللہ
وعدہ ونصر عبدہ
وھزم الاحزاب وحدہ[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر (جہاد) سے
واپس ہوتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے اور فرماتے
'آئبون الخ' انشاء اللہ ہم واپس ہوں گے ہم
توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے اپنے
رب کی حمد کرنے والے اور سجدہ کرنے والے
ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے
بندہ کی مدد کی اور تنہا دشمن کے لشکروں
کو شکست دی۔

ایک اور روایت میں مزید تھوڑی سی تفصیل ملتی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذا قفل من
الجیوش او السرایا او
الحج او العمرۃ اذا اوفیٰ
علی ثنیۃ او فدفد کبّر
ثلاثا ثم قال لا الہ الا
اللہ لا شریک لہ لہ الملک
ولہ الحمد وھو علی کل
شیء قدیر آئبون تائبون عابدون
ساجدون لربنا حامدون
صدق اللہ وعدہ ونصر
عبدہ وھزم الاحزاب
وحدہ[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجی
کارروائی اور جنگ کے بعد لوٹتے یا حج
اور عمرہ سے واپس ہوتے تو جب کسی بلندی
پر چڑھتے یا سخت زمین سے گزرتے تو تین
مرتبہ تکبیر کہتے پھر فرماتے 'لا الٰہ الخ' اللہ کے
سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک
نہیں، اقتدار اسی کا ہے، حمد و ثنا اسی کے
لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا
ہے۔ ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہیں عبادت
کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اپنے رب کی
حمد کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر
دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور دشمن کے
لشکروں کو تنہا شکست دی۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب ما یقول اذا رجع من الغزو [2] مسلم کتاب الحج، باب ما یقال اذا رجع من سفر الحج وغیرہ

كان النبى صلى الله عليه وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
وجيوشه اذا علوا الثنايا	لشکر جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور
كبروا واذا هبطوا سبحوا [1]	جب نیچے اترتے تو تسبیح کرتے۔

ان احادیث میں سفر کے دوران مختلف مواقع پر تکبیر، تسبیح اور دعاؤں کا ذکر ہے۔ بظاہر یہ دعائیں زور سے پڑھی جاتی تھیں لیکن احادیث ہی سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ان مواقع پر بھی آواز کا بہت زیادہ بلند کرنا یا شور کی سی کیفیت پیدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہونچے تو زور سے تکبیر کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔

ايها الناس اربعوا على	اے لوگو! اپنے ساتھ نرمی کا رویہ
انفسكم انكم لاتدعون اصم	اختیار کرو (اور اپنی آواز ہلکی کرو اس لیے
ولا غائبا انكم تدعون سميعا	کہ) تم کسی بہرے یا غائب کو آواز نہیں دے رہے
بصيرا وهو معكم والذى	ہو بلکہ جس ہستی کو تم بلا رہے ہو وہ سمیع و بصیر
تدعونه اقرب الى احدكم من	ہے۔ جسے تم بلا رہے ہو وہ تمہاری سواری
عنق راحلته [2]	کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔

ففيه الندب الى خفض	اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ذکر میں
الصوت بالذكر اذا لم تدع	آواز بلند کرنے کی حاجت نہ ہو تو اس کا
حاجة الى رفعه فانه اذا	پست رکھنا مندوب و مستحسن ہے۔ اس
خفضه كان ابلغ فى توقيره	لیے کہ اس سے اس کی توقیر و تعظیم میں
وتعظيمه فان دعت حاجة الى	اضافہ ہوتا ہے۔ ہاں اگر آواز بلند کرنے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب مایقول الرجل اذا سافر

[2] بخاری، دعوات، الدعاء اذا علی عقبة، مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر الافی المواضع التی ورد الشرع برفعه فیها الخ

الرفع رفع کملجاوت به اعادیث[1] کی ضرورت ہو تو بلند بھی کی جاتی ہے جیساکہ احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فرض نماز کے بعد زور سے تکبیر کہی جاتی تھی سب مجھے نماز کے ختم ہونے کا علم اسی وقت ہوتا تھا جب صحابہ کرام تکبیر کہتے تھے[2]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ دور رسالت میں کم سن تھے اس وجہ سے ہوسکتا ہے جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ آخر میں بچوں کی صف میں رہتے ہوں اور سلام کی آواز ان تک نہ پہونچتی ہو[3]۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ سلف میں سے بعض کے نزدیک فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا یا ذکر کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ متاخرین میں ابن حزم ظاہری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن ابن بطال اور دوسرے اہل علم نے بیان کیا ہے کہ وہ تمام فقہی مسالک جن کی اتباع کی جاتی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ (نماز کے بعد) بآواز بلند ذکر اور تکبیر مستحب نہیں ہے امام شافعی نے حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ آپ نے چند دن بآواز بلند ذکر کیا تاکہ صحابہ کو ذکر کے طریقہ کی تعلیم دیں۔ صحابہ کرام نے اس پر مستقل عمل نہیں کیا۔ فرماتے ہیں میرے نزدیک امام اور ماموم دونوں کے لیے پسندیدہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد آہستہ سے ذکر کریں ہاں اگر امام تعلیم دینا چاہے تو زور سے ذکر کر سکتا ہے۔ لیکن جب اسے یقین ہو جائے کہ لوگ سیکھ چکے ہیں تو وہ پھر ذکر خاموشی سے کرے[4]۔

بعض احادیث کی توضیح

ذکر سے متعلق بعض روایات کا موقع و محل اور ان کا صحیح مفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح کی بعض روایات کا معنی و مفہوم بیان کرنے کی یہاں

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۶ جزء ۱۷ صـ ۲۶ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۷ء

[2] بخاری کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ

[3] فتح الباری: ۳/۲۲۰ [4] نووی: شرح مسلم، جلد ۲ جزء ۵ صـ ۸۴

کوشش کی جائے گی۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا
الا انبئکم بخیر اعمالکم	میں تمہیں بتاؤں کہ وہ عمل کون سا ہے جو تمہارے
وازکاھا عند ملیککم	اعمال میں سب سے بہتر تمہارے رب کے نزدیک سب سے
وارفعھا فی درجاتکم وخیر	پاکیزہ اور تمہارے درجات میں سب سے اونچے درجہ کا ہے
لکم من انفاق الذھب	اور جس کا کرنا تمہارے لیے سونے اور چاندی
والورق وخیر لکم من ان	کے خرچ کرنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے سے
تلقوا عدوکم فتضربوا	جس میں تم اس کی گردن مارو اور وہ تمہاری
اعناقھم ویضربوا اعناقکم	گردن ماریں، بہتر ہے۔ صحابہ نے عرض
قالوا بلٰی قال ذکر اللہ[1]	کیا ضرور بیان فرمائیے۔ آپ نے ارشاد
	فرمایا۔ وہ ہے اللہ کا ذکر۔

یہ صحیح حدیث ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کا مقام خدا کی راہ میں اپنی دولت لٹانے اور جہاد کرنے سے بھی اونچا ہے۔ یہ انسان کا سب سے ارفع و اعلیٰ عمل ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ اگر "ذکر" سے صرف اوراد و وظائف مراد لیے جائیں تو ظاہر ہے یہ مفہوم صحیح نہیں ہوگا۔ پھر اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ محدثین نے اس سلسلہ میں جو کہا ہے اسے ہم اپنی زبان میں پیش کریں گے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کے لحاظ سے کبھی ایک بات کو اور کبھی دوسری بات کو نمایاں کیا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ یہاں بھی مخاطب کے لحاظ سے ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہو۔ اسے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے کسی بہادر اور شجاع شخص سے، جس سے میدان جہاد میں اسلام کو فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ کہا جائے کہ جہاد سب سے افضل ہے یا ایک شخص دولت مند ہے اور اس کی دولت سے غریبوں کو فائدہ پہونچ سکتا ہے، اس سے کہا جائے کہ صدقہ سب سے افضل ہے۔ اسی طرح

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات ص۱۷۳۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الذکر۔ موطا مالک کتاب القرآن، باب ماجاء فی ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ۔

جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے حج کا ادا کرنا افضل ہوگا اور جس کے والدین خدمت کے مستحق ہیں اس کے لیے ان کی خدمت سب سے زیادہ فضیلت کا باعث ہوگی۔ اس طرح اعمال کی فضیلت سے متعلق مختلف روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے[۱]

---

[۱] یہاں ایک مثال سے اس کی وضاحت کی جارہی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔

قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا
مایعدل الجہاد فی سبیل اللہ	گیا کہ وہ کونسا عمل ہے جو جہاد کے برابر
عزوجل قال لا تستطیعونہ	ہو؟ آپ نے فرمایا وہ عمل تم کر نہیں سکتے صحابہ
قال فاعادوا علیہ مرتین	نے یہی سوال دو تین مرتبہ دہرایا آپ نے
اوثلاثا کل ذالک یقول لا	ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ تم وہ عمل کر نہیں سکتے
تستطیعونہ وقال فی الثالثۃ	تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے راستہ
مثل المجاھد فی سبیل اللہ	میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے
کمثل الصائم القائم القانت	جیسے کوئی شخص دن میں روزہ رکھے رات
بآیات اللہ لا یفتر من صیام ولا	میں قیام کرے اور اس کی اطاعت اور
صلاۃ حتی یرجع المجاھد فی	آیات کی تلاوت میں مسلسل لگا رہے اور
سبیل اللہ تعالیٰ (بخاری، کتاب الجہاد	اپنے روزہ اور نماز کو مجاہد کے واپس ہونے
باب فضل الجہاد والسیر، مسلم، کتاب الجہاد باب فضل	تک ختم نہ کرے
الشہادۃ فی سبیل اللہ واللفظ لمسلم)	

امام نووی فرماتے ہیں" اس حدیث سے جہاد کی زبردست فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ نماز روزہ اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے قیام کرنا اعمال میں سب سے افضل ہیں آپ نے مجاہد کو اس شخص کے مانند قرار دیا ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی ان اعمال کو ترک نہ کرے ظاہر ہے کہ یہ کسی کے بس میں نہیں ہے۔ (نووی، شرح مسلم ج ۶ جز ۱۳ صفحہ ۲۵)

جہاد کا ایک موقع و محل ہے جس میں وہ ذکر و اذکار، تہجد اور نفل روزوں سب سے افضل ہے۔ اس سے ہٹ کر ان اعمال کی فضیلت اپنی جگہ باقی رہے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بات مخاطب کے لحاظ سے تو زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن وہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان کرتی کہ وہ ہر حال میں اور ہر شخص کے لیے اسی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا تعین پورے دین کے سیاق وسباق میں کیا جائے گا۔ ذکر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کی صحیح حیثیت کا تعین پورے دین کے مجموعی نظام کی روشنی میں ہوگا۔

ذکر دراصل روحِ شریعت ہے۔ شریعت کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ اس پہلو سے ذکر ہر چیز سے افضل ہے۔ غلط فہمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ زبان سے محض اوراد و اذکار کے ادا کرنے ہی کو سب سے برتر عمل سمجھ لیا جائے۔ اس سے دوسرے بے شمار اعمال کی اہمیت ختم ہوجائے گی جنھیں خود شریعت نے اہمیت دی ہے۔[۱]

اسی نوعیت کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای العباد افضل درجۃ عند اللہ یوم القیامۃ قال الذاکرین اللہ کثیرا قال قلت یا رسول اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ قال لو ضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتیٰ ینکسر ویختضب دما لکان الذاکرین اللہ کثیرا افضل منہ درجۃ[۲]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے اونچا مقام کس کا ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی ان کا درجہ اونچا ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ اپنی تلوار کفار اور مشرکین پر چلائے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور وہ شخص خون آلود ہوجائے تو بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے بلند ہوگا۔

---

[۱] اس حدیث کی شرح کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی علی الموطا ۱/۳۲۸ - ۳۲۹ نیز فتح الباری ۱۱/۱۶۳

[۲] قال الترمذی ہٰذا حدیث غریب انما نعرفہ من حدیث دراج۔ ابواب الدعوات ص ۱۷۳ دراج کی یحییٰ بن معین

سند کے لحاظ سے یہ ایک ضعیف روایت ہے۔ اگر اس کے ضعف کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کا مفہوم وہی ہوگا جو اوپر کی حدیث کا بیان ہوا ہے۔

دل و دماغ پر اللہ کے ذکر کا چھا جانا، قلب کا اس سے متاثر ہونا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا جاری ہو جانا قابلِ تعریف بات ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے ذکر سے اہلِ ایمان کے دل دہل جاتے ہیں (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ سات قسم کے انسانوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز، جب کہ کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا اپنے عرش کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا۔ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ایک کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ[1]	ایک وہ شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں

اللہ کے ذکر کے بارے میں یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ اس سے آدمی ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور اس پر جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید میں جو روایات ملتی ہیں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون[2]	اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے۔

یہ حدیث ایک تو کم زور ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے ذکر سے دل و دماغ کو روشن ہونا

= اور علی بن مدینی نے توثیق کی ہے اور بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں اس سے روایت بھی کی ہے۔ لیکن امام احمد نے اس کی روایات کو 'منکر' قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے اسے کبھی ضعیف اور کبھی منکر الحدیث کہا ہے۔ یعنی اس کی روایت کی کوئی دوسرا قابلِ اعتبار راوی تائید نہیں کرتا۔ دارقطنی اور ابو حاتم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1] بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد الخ۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اخفاء الصدقہ

[2] قال المنذری رواہ احمد وابو یعلیٰ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد۔ الترغیب والترہیب: ۲/ ۳۹۹۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے لیکن اس کا ایک راوی وہی درّاج ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ اس لیے حدیث ضعیف ہے۔ قال الہیثمی بعد ما عزاہ لاحمد وابی یعلیٰ فیہ درّاج ضعفہ جمع وبقیۃ رجال احد اسنادی احمد ثقات۔ فیض القدیر: ۲/ ۸۵

چاہیے ذکر کے پاکیزہ تصور سے یہ بات میل نہیں کھاتی کہ آدمی دین و دنیا کا ہوش کھودے اور اس پر غفلت اور بے خبری کا عالم طاری ہو جائے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ صحابہ کرام جو سب سے بڑے ذاکر تھے ان کی مقدس زندگیوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ وہ دنیا کے سب سے زیادہ باہوش اور اصحاب دانش و بینش تھے۔

ایک حدیث میں ذکر کی ترغیب ان الفاظ میں دی گئی ہے۔

اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون انکم تراؤن[1]	اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافقین کہنے لگیں کہ یہ دکھاوے کے لیے کر رہے ہیں۔

یہ ایک ضعیف روایت ہے۔ ذکر کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے اس طرح کی ضعیف روایات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے غلط تصور ابھرتا ہے۔ اس کی فضیلت کے لیے صحیح احادیث بہت کافی ہیں۔

---

[1] رواہ الطبرانی ورواہ البیہقی مرسلا۔ الترغیب والترہیب : ۲/۳۹۹۔ بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ التیسیر لشرح الجامع الصغیر : ۱/۱۲۵

اعلان ملکیت سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ فارم ۴ رول ۹

۱۔ مقام اشاعت: پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ، یوپی

۲۔ نوعیت اشاعت : سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر : سید جلال الدین عمری

۴۔ قومیت : ہندوستانی

پتہ : پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔ یوپی

۵۔ ایڈیٹر : سید جلال الدین عمری

پتہ : پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ، یوپی

۶۔ ملکیت : ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ، یوپی

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

(۱) مولانا محمد فاروق خاں (صدر) ۱۳۵۲، بازار چتلی قبر، دہلی ۶

(۲) جناب سید یوسف (رکن) "

(۳) ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی۔ فریدی ہاؤس سرسید نگر علی گڑھ

(۴) جناب امین الحسن رضوی (رکن) ہمدرد نگر۔ نئی دہلی۔

(۵) ڈاکٹر محمد رفعت۔ شعبۂ فزکس۔ جامعہ ملیہ۔ نئی دہلی۔

(۶) مولانا کوثر یزدانی ۱۳۵۲۔ بازار چتلی قبر۔ دہلی۔

(۷) ٹی۔ کے عبداللہ صاحب الاتھن کنڈی ہاؤس ٹیری کالی کٹ

(۸) ڈاکٹر حمید اللہ۔ منزل منزل کمپلیکس۔ علی گڑھ

(۹) ڈاکٹر احمد سجاد۔ بریاتو ہاؤسنگ سوسائٹی، کالونی حارق منزل رانچی

(۱۰) مولانا سید حامد علی۔ میران پور کٹرہ شاہجہاں پور۔ یوپی

(۱۱) سید جلال الدین عمری (سکریٹری)

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔

مندرجہ معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر: سید جلال الدین عمری